

# حبِ رسولٰؐ اور اس کے تقاضے

ڈاکٹر انیس احمد

ہر سال ربع الاول کا مہینہ رحمتوں، برکتوں اور روحانی نعمتوں کا تخدیل کر آتا ہے اور ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم امت کی زندگی میں نئی روح پھونکنے کا ذریعہ بنتا ہے، لیکن یہ حقیقت بھی ہر لمحے سامنے رکھنا ضروری ہے کہ حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق نہ کسی خاص مہینے سے ہے، نہ کسی خاص مقام اور موسم سے۔ یہ تو وہ سداہبہ کیفیت ہے جو ایمان کے پہلے لمحے سے زندگی کے آخری سانس تک مومن کا سرمایہ زیست ہے، شرط ایمان کی ہے۔

شعوری طور پر، حتیٰ کہ صرف رسمی طور پر بھی جب ایک شخص اپنے مسلمان ہونے کا اعلان یہ کہہ کر کرتا ہے کہ وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو پناہ وحدۃ لاشریک رب مانتا ہے اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا سچا رسول اور بندہ تسلیم کرتا ہے (اشهد ان لا اللہ الا اللہ وحده لاشریک له و اشهد ان محمدًا عبدہ ورسولہ)، تو وہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک پیمان محبت باندھتا ہے اور اپنے آپ کو اپنے رب، مالکِ حقیقی اور اپنے ربہما، قائد، محسن اور ہادی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ایسے رشتے میں منسلک کرتا ہے جو اسے رنگ و نسل، خون اور مقام کی قید سے آزاد امت مسلمہ اور امت محمدیہ کا ایک جزو لایفک بنا دیتا ہے۔ بلاشبہ اس رشتے کا اصل لطف شعوری تعلق کی صورت میں ہے لیکن یہ بھی اللہ کا انعام ہے کہ جس شخص نے صرف زبان سے اظہار اور دل سے اقرار کیا ہو، اور اس نے اس رشتے سے وابستہ ہونے کے مطالبات اور شرائط و واجبات پر غور نہ بھی کیا ہو، تب بھی وہ اپنے قائد و ربہما محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو دل کی ہر دھڑکن میں محسوس کرتا ہے اور یہ محبت ساری زندگی اس کی رگوں میں خون کی ٹھکل میں گردش کرتی رہتی ہے۔ وہ ایک

دیہاتی ہو، شہری ہو، کوہستانی ہو، صحرائشین ہو، سمندر میں دن رات سفر کرنے والا پھیرا ہو، ایک طالب علم ہو یا دانش ور، وہ اپنے آپ کو اس رشتے سے اس طرح وابستہ کر دیتا ہے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی قوت بھی، حتیٰ کہ جب موت سامنے نظر آ رہی ہو، اس وقت بھی وہ نہیں چاہتا کہ اس کے رسول اس کے محسن صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و شخصیت کو ایک پھانس کے برابر بھی تکلیف پہنچے۔ حضرت خبیثؓ کا واقعہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ جب انھیں شہید کرتے وقت ان کے قاتل نے سوال کیا کہ اگر تمہاری جگہ یہ عمل تمہارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا جاتا تو تم کیا محسوس کرتے، تو ان کا جواب قیامت تک کے لیے ہر مسلم و مؤمن کی طرف سے دیا جانے والا جواب تھا، یعنی میں تو یہ بھی نہیں پسند کروں گا کہ اس ہستی کو ایک پھانس کے برابر بھی تکلیف پہنچے۔

یہ محبت، یہ تعلق، یہ وابستگی رجیع الاول میں کچھ زیادہ واضح ہکل اس لیے اختیار کر لیتی ہے کہ اس ماہ میں اخبارات ہوں یا ریڈ یو اور ٹیلی و ٹون کے اکتوبر جیل ۲۰۱۱ء رجیع الاول کو اپنی خصوصی نشریات کا اہتمام کرتے ہیں، میلاد النبیؐ کے جلسے منعقد ہوتے اور جلوں نکلتے ہیں، اسکو لوں میں تقریبات منعقد ہوتی ہیں۔ بعض سرکاری ادارے سیرت پر کتابوں اور مضمون نویسی کے مقابلے منعقد کر کے انعامات دیتے ہیں۔ یوں اس مہینے کے ۲۹ یا ۳۰ دنوں میں ایک دلی اظہار محبت و وابستگی کے بعد پاکستان میں بنے والی امت مسلمہ مطمئن ہو جاتی ہے کہ اس نے حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا کر دیا۔ بعض عاشقان رسول بازاروں میں جھنڈیاں لگا کر پناخے چھوڑ کر بھی اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی قراؤ فرماتے ہیں: ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا۔ آپؐ کے کچھ اصحاب آپؐ کے وضو کا پانی لے کر اپنے چہروں پر ملنے لگے تو آپؐ نے پوچھا: تمہارے اس کام کا محرک کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: اللہ اور رسولؐ کی محبت۔ آپؐ نے فرمایا: جن لوگوں کو اس بات کی خوشی ہو کہ وہ اللہ اور رسولؐ سے محبت کرتے ہیں تو انھیں چاہیے کہ جب بات کریں تو وحی بولیں، جب ان کے پاس کوئی امانت رکھی جائے تو اس کو (بہ حفاظت) مالک کے حوالے کریں، اور پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوك کریں۔ (مشکوہ)

حضرت انسؓ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اُس کی نگاہ میں اس کے باپ، اس کے بیٹے اور سارے انسانوں سے

زیادہ محبوب نہ ہو جاؤ۔ (بخاری، مسلم)

اگر صرف ان دو احادیث پر غور کیا جائے تو آج ہم جن حالات سے گزر رہے ہیں ان کے حوالے سے ان میں بیش بہاہدایات موجود ہیں۔

### سچ کو اختیار کرنا

سب سے پہلی بات جس کا سمجھنا ضروری ہے وہ یہ ہے۔ بلاشبہ محبت کے مظاہر ایک فطری عمل ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کامنہ بولتا ثبوت ہیں لیکن اس کے ساتھ محبت کی اصل روح اور تقاضوں کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ محبت کی تعریف اور مفہوم یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس پانی سے وضوفرمایا ہواں کو تمہارا اپنے چہرے پر مل کر یہ سمجھ لیا جائے کہ اس برکت کے سہارے رب کریم ہم پر عنایت فرمادے گا، بلکہ محبت کا تعلق عمل سے ہے۔ خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کی قلبی کیفیت اور وا بشگی کو حکمت رسالت کے ذریعے تین ایسے اعمال میں بدل دینے کا حکم دیا جو ایک مسلمان کو صحیح معنوں میں مونما بنائے ہیں، چنانچہ پہلی بات یہ ارشاد فرمائی کہ جب بات کریں تو چ (صدق) کو اختیار کریں۔ یہ صدق مغض زبان سے بچی بات کہنے تک محدود نہیں ہے، گواں کی بھی غیر معمولی اہمیت ہے، بلکہ اصل مقصد اور ہدف اپنے تمام معاملات میں صدق کو اختیار کرنا مطلوب ہے جس کی مثال حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اسوہ میں ہے کہ اللہ کی کتاب میں ان کی زندگی کا مرکزی وصف ہی یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ وعدے کا سچا تھا (سورہ مریم: ۱۹: ۵۰)۔ یہی نکتہ اس ارشادربانی سے بھی ہمارے سامنے آتا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے خاندانی زندگی کے آغاز کے موقع پر جو اصطلاح مہر کے حوالے سے پسند فرمائی وہ بھی اسی مادے سے تعلق رکھتی ہے: وَ اُتُوا النِّسَاءَ صَدْفُتِهِنَّ نِخْلَةً ط (النساء: ۳: ۳) اور عورتوں کے مہر خوش دلی کے ساتھ (فرض جانتے ہوئے) ادا کرو۔

اہل ایمان کی پہچان اسی صدق کو قرار دیا گیا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَ كُوْنُوا مَعَ الصُّدِّيقِينَ ۝ (التوبہ: ۹) اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور پتے لوگوں کا ساتھ دو۔ مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کے قیام، حق کے غالب آنے اور باطل کے مٹ جانے کے عمل کو بھی صدق کے ساتھ وابستہ کیا گیا اور ہجرت نبویؐ کے حوالے سے قرآن کریم نے

ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہودعاً تعلیم فرمائی وہ صداقت اور شہادت حق کے ساتھ مکالات و مصائب کا مقابلہ کرنے کے بعد صداقت اور شہادت حق دیتے ہوئے دارالاسلام اور مرکز امت کے قیام کی طرف اشارہ کرتی ہے:

وَ قُلْ رَبِّ ادْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ أَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لَيْ مِنْ لَدُنْكَ سُلْطَانًا نَصِيرًا ۝ (بنی اسرائیل ۲۷:۸۰) اور دعا کرو کہ پروردگار، مجھ کو جہاں بھی تو لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک افتخار کو میرا مددگار بنادے۔

صدق جس کی طرف خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم نے حب رسول کے حوالے سے متوجہ فرمایا الہی ایمان کی صفات کے حوالے سے بارہا قرآن کریم میں بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سورۃ الحزاب میں الہی ایمان کی جن صفات کا ذکر ہے اس میں صدق کو اعلیٰ مقام حاصل ہے:

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمِتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْفَقِيرِتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالصَّدِيقِ وَالصَّدِيقَاتِ وَالصَّابِرِ وَالصَّابِرَاتِ وَالْحَشِيعِ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّابِرَاتِ وَالصَّابِرَاتِ وَالْحَفِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَفِظِتِ وَالذِكَرِيُّنَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذِكَرَاتِ لَا أَعْدَدَ اللَّهُ لَهُمْ مَفْرِرًا وَأَجْرًا عَظِيمًا (احزاب ۳۵:۳۳) بالیقین جو مرد اور جو عورتیں مسلم ہیں، مومن ہیں، مطیع فرمان ہیں، راست باز (صادق اور صادقات) ہیں، صابر ہیں، اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں، صدقہ (بشمل زکوٰۃ) دینے والے ہیں، روزے رکھنے والے ہیں، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں، اللہ نے ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔

صداقت، صالحیت اور شہادت میں ربط اور یگانگت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ قول صادق عمل صالح میں اور عمل صالح اللہ کے حضور شہادت کا ذریعہ بتتا ہے، اور اس دنیا میں بھی ایک مرد صادق یا ایک صادقة خاتون اپنے زبانی اعلان و اقرار کو اپنی صالحیت، بھلائی پر قائم رہنے کے ذریعے اپنے مومن یا مومنہ ہونے کی شہادت فراہم کرتے ہیں، حتیٰ کہ جان اور مال کے ذریعے

تعدادیت کرتے ہوئے شہادت کے اعلیٰ مقام تک پہنچتے ہیں۔

امانت، اہلِ امانت کے سہر دکرنا

رحمت للعَالَمِينَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے جس دوسرے عملِ صالح کے ذریعے حبِّ رسولؐ کے لازمی مظہر کی حقیقت کو بیان فرمایا ہے وہ بھی قرآن و سنت کی بنیادی تعلیمات میں سے ایک اہم عمل ہے جس کے بغیر ہم موجودہ اخلاقی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی انتشار سے نہیں نکل سکتے۔ خاتم النبیین صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: وَيُؤْدِي امانتَهُ اذَا تُمْنَنَ، یعنی امانت کو بہ حفاظت مالک کے حوالے کرے۔

قرآن کریم نے امانت کو اہلی ایمان کی اولین صفات کے طور پر جگہ جگہ بیان کیا ہے۔

چنانچہ سورہ مونون میں فرمایا گیا: وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَتِهِمْ وَعَاهَدُهُمْ رَاعُونَ ۝ (المؤمنون ۸:۲۳) ”اپنی امانتوں اور اپنے عہدوں پیمان کا پاس رکھتے ہیں“۔ انبیاء کرام کے حوالے سے بار بار یہ بات بیان کی گئی ہے کہ وہ امانت دار رسول (رسولؐ امین) یا قوی اور امین ہیں۔

(الشعراء: ۲۶، ۱۰۷، ۱۹۳، ۱۴۳، النمل: ۲۷، ۳۹)

ذمہ دار یوں اور قیادت کے حوالے سے یہ صفت شرط کی حیثیت رکھتی ہے، چنانچہ حضرت موسیؐ کے حوالے سے اس طرف اشارہ ہوتا ہے (القصص: ۳۶:۲۸)، اور حکومتی اور فنی امور کے حوالے سے قرآن کریم یہ حکم دیتا ہے: إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُوَدُّوا الْأَمْانَتَ إِلَى أَهْلِهَا لَا (النساء: ۵۸:۳) ”مسلمانو، اللَّهُ تَعَالَى حکم دیتا ہے کہ ا manus اہل امانت کے سپرد کرو۔“

اس آیت مبارکہ میں رب کریم نے بطور مشورہ یا تجویز کے نہیں بلکہ بطور حکم یہ بات فرمائی ہے کہ اہلی ایمان اپنے معاملات ایسے افراد کے ہاتھ میں دیں جو اس ذمہ داری کے اہل ہوں۔ اس کے مضمرات معاشی، سیاسی، معاشرتی اور ثقافتی و ابلاغی شعبوں میں غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں۔ اگر ایک ایسے شخص کو جو بذاتِ خود اور جس کا قبیلہ اپنی ماضی کی تاریخ کے لحاظ سے چور، بد دیانت اور ڈاکو کے طور پر شہرت رکھتا ہو، ملک کی اعلیٰ ترین ذمہ داری سونپ دی جائے اور پھر کفِ افسوس ملا جائے کہ ملک کے امیر امیر تر اور غریب، غریب تر ہو رہے ہیں، سرکاری خزانے کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا جا رہا ہے، پرانے یا نئے یا ترقیتیں کے نام پر اپنے ہم نوالہ افراد کو کوڑیوں کے مول قوی اٹھائے فروخت

کیے جا رہے ہیں، سیاسی حلیفوں کو اپنے ساتھ رکھنے کے لیے ہزاروں ایکڑ زمین تقریباً مفت دی جاتی ہو، تو یہ قصور صرف چوری کا نہیں بلکہ چور کو امانت حوالے کرنے والوں کا بھی ہے۔ اگر ابلاغی سطح پر صحافت اور برتری ابلاغی عامہ کو ایسے افراد کے حوالے کر دیا جائے جو ذہنا یا تو مغرب کے غلام ہوں یا ہندوستانی ثقافت اور مقاولات کی حمایت میں اپنی دانش و ری کو استعمال کرنے کے لیے مشہور ہوں تو الزام کے دیا جائے گا؟ اگر تعلیم گاہ میں ایک ایسے شخص کو استاد بنادیا جائے جو نہ علم رکھتا ہو نہ کردار، تو جو نسل اُس کے زیر تربیت پیدا ہو گی کیا اس میں صداقت اور امانت پیدا ہو سکتی ہے؟ اقبال نے صداقت اور امانت کے حوالے ہی سے کہا تھا کہ ان دو اسلامی اقدار اور احکاماتِ نبوی کو جب تک اختیار نہیں کیا جائے گا اس وقت تک قوموں کی امامت کا فریضہ ادا نہیں ہو سکتا۔

سبت پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا  
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

### بڑوسی کا حق

تیری اہم ہدایت جو حب رسولؐ کے حوالے سے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی وہ پڑوی کے حقوق کے حوالے سے ہے۔ ہم عموماً اس سے یہ بات سمجھتے ہیں کہ عید بقر عید کے موقع پر اگر پڑوی کے ہاں گوشت کا حصہ یا سویاں بھیج دی گئیں تو اس کا حق ادا ہو گیا، حالانکہ اس کا مقصد وہ تمام افراد ہیں جن سے تعلق سکونت کے باب میں مستقل رفاقت کا ہو، یا جو عارضی طور پر رفیق سفر بن جائیں۔ اس کا اشارہ اس حدیث سے ہے، جس میں یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ پڑوی سے مراد شخص فوری پڑوی نہیں ہے بلکہ ۲۰۰ گھر سیدھے ہاتھ کی طرف اور ۲۰۰ گھر یا کمیں ہاتھ کی طرف پڑوی شمار کیے جائیں گے۔ ایسے ہی پڑوی سے مراد وہ شخص ہی ہے جو ہمارا ہم سفر ہو، بس میں، جہاز میں، ٹرین میں، ویکن میں، کہیں بھی۔ گویا تنے کم عمر صے کے لیے بھی اس کے حقوق کا خیال رکھنا حب رسولؐ کا تقاضا اور مطالبہ ہے۔

حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے قرآن کریم نے جو اصول طے کر دیا ہے وہ رسی اظہارِ محبت سے عبارت نہیں۔ دل، زبان اور اعمال سے محبت کے اظہار کے ساتھ اس سے بھی کہیں بڑھ کر قرآن کریم کی تعلیم یہ ہے کہ:

قُلْ إِنْ كُتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَأَتَيْعُونَى يُحِبِّكُمُ اللَّهُ وَ يَغْفِرُ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ طَوَّالَ اللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَ الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلُّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكُفَّارِينَ ۝ (آل عمران ۳۲-۳۱:۳) اے نبی! لوگوں سے کہہ دو اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگز رفرمائے گا۔ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔ ان سے کہو کہ اللہ اور رسول کی اطاعت قبول کرو۔ پھر اگر وہ تمہاری یہ دعوت قبول نہ کریں تو یقیناً یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ ایسے لوگوں سے محبت کرے جو اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت سے انکار کرتے ہوں۔

### اطاعت، حبِ رسول کا بنیادی تقاضا

محبتِ رسول کا پہلا مطالبہ اطاعتِ رسول ہے۔ شخصی زندگی میں بھی اور اجتماعی زندگی میں بھی۔ یہ پہلو بھی قابلی غور ہے کہ جب معاملہ محض زبانی اظہار ہی کا نہیں بلکہ باقاعدہ دستورِ مملکت کے ذریعے بھی یہ اعلان کیا جائے کہ شریعت بالادست ہے اور حکومتِ اسلامی تعلیمات کے نفاذ کی ذمہ دار ہے اور اس کے باوجود کوئی حکومتی ہر کارہ ناموں رسول کے حوالے سے غیر ذمہ داری کی بات کرے، تو وہ دستورِ پاکستان کی خلاف ورزی اور قرآن کے واضح حکم کی خالفت کا مرٹکب ہو گا۔

قرآن کریم سے برا و راست تعلق کی کی اور سیرتِ رسول سے محض جذباتی وابستگی کے نتیجے میں اکثر مغرب زدہ داش وریہ بات بظاہر بڑی مخصوصیت سے کہتے ہیں کہ قرآن کریم تو اللہ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت کا بندوبست کیا ہے۔ اس بنا پر اس کی تعلیمات و احکام کو مانا تا فرض ہے لیکن حدیث اور سنت رسول ان کے خیال میں ایک انسانی عمل ہے جو وقت کی قید کی بنا پر ساتویں صدی میلادی میں تو قابلی عمل تھا لیکن معاشرتی ارتقا اور حالات کی تبدیلی کے بعد اس کی حیثیت اخلاقی تعلیمات کی تو ہو سکتی ہے لیکن اسے قانون کا درجہ نہیں دیا جانا چاہیے۔ اس مفروضے کی بنیاد مبنی منطقی مغالطوں پر ہے:

اولاً یہ مفروضہ کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل صرف ساتویں صدی کے عربوں اور عرب معاشرے کے لیے تھا۔ گویا نعوذ بالله آپ ایک عرب قبائلی مصلح (ریفارم) تھے۔ دوسرا مفروضہ

یہ ہے کہ حدیث یا سنت، خاتم النبیین کا ذاتی عمل تھا اور اس کی مبہروی بعد کے افراد پر واجب نہیں۔ تیرا مفروضہ یہ ہے کہ آپ کا کام مخفی چند اخلاقی اصول سمجھانا تھا۔ آپ کوئی قانون و شریعت لے کر نہیں آئے۔

ان تینوں مفروضوں پر کسی فلسفیانہ، عقل و منطق پر بنی گفتگو اور دلائل کی ضرورت اس لیے نہیں ہے کہ اگر وہ حضرات جو خود کو الہی قرآن کہتے ہیں یا یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے لیے قرآن کافی ہے، قرآن کریم نے خود ان تینوں مفروضوں کا جواب دیا ہے اور جوابات خالق کائنات اور انسانوں کا مالک خود فرمائے اُس سے زیادہ وزنی اور قطعی ثبوت و دلیل اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

پہلے اور دوسرے مفروضے کے حوالے سے قرآن کریم یہ فرماتا ہے کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں تمام الہی ایمان کے لیے قیامت تک کے لیے بہترین قابلی عمل نمونہ ہے:  
 لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب ۳۳: ۲۱)  
 لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے۔

یہ نمونہ اور اسوہ مخفی عبادات میں نہیں ہے بلکہ معاملات اور زندگی کے ہر عمل کے لیے رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اس بات کا رد بھی قرآن کریم نے خود کر دیا ہے کہ آپ مخفی عربوں کے لیے نہیں آئے بلکہ جس طرح قرآن تمام انسانوں کے لیے قیامت تک کے لیے ہدایت ہے (البقرہ ۲: ۱۸۵)، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تمام انسانوں کے لیے قابلی عمل اور واجب اعمل نمونہ ہے:

فُلُّ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا<sup>۱</sup> الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ<sup>۲</sup> لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْكِي وَيُمِيزُ<sup>۳</sup> فَإِنْمَا<sup>۴</sup> بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النِّيَّى الْأَمِيَّى الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَتِهِ وَاتَّبَعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ<sup>۵</sup> (اعراف ۷: ۱۵۸)

اے محمدؐ! کہو کہ اے انسانو، میں تم سب کی طرف اس خدا کا پیغیر ہوں جو زمین اور آسمانوں کی پادشیت کا مالک ہے، اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے، وہی زندگی بخفاہ ہے اور وہی موت وہی ہے، جس ایمان لا اؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی اُتھی پر جو اللہ اور اس کے ارشادات کو مانتا ہے، اور بہروی اختیار کرو اس کی، امید ہے کہ تم راہ راست پالو گے۔

یہاں یہ بات انتہائی واضح الفاظ میں فرمادی گئی کہ آپؐ کی نبوت اور رسالت تمام انسانوں کے لیے ہے اور تمام انسانوں کو آپؐ کی پیروی اختیار کرنا شرط کامیابی ہے۔

### بعثت رسولَ کا بنیادی مقصد

رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی بحث کا مقصد کئی مقامات پر خود قرآن کریم نے واضح الفاظ میں یوں بیان کیا ہے کہ رسولؐ کا کام حُسن کتاب پہنچا دینا نہیں ہے، بلکہ وہ اس کتاب کو صحیح طور پر پڑھنے، اس کتاب کی تعلیمات کو سمجھانے، اس کتاب کی تشریع اور وضاحت کے ساتھ ساتھ خود حکمت سمجھانے اور اہلی ایمان کو تزکیے کا طریقہ سمجھانے پر مامور کیا گیا ہے۔ وہ نعوذ بالله حُسن ڈاکیا نہیں ہے کہ کتاب پہنچا کر اس کا کام ختم ہو گیا، بلکہ وہ نہ صرف شارح بلکہ شارع ہے۔ چنانچہ سورہ اعراف میں یہ بات قرآن کریم نے واضح کر دی کہ آپؐ اہلی ایمان پر سے بوجہ کو بلکہ کرتے ہیں، پاک اور طیب چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور خبائش و مکرات کو حرام قرار دیتے ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں تحلیل و تحریم کا اختیار نہیں سے وابستہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

الَّذِينَ يَتَّقِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأَمِيَّ الَّذِي يَجْلِّونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التُّورَةِ وَالْإِنْجِيلِ زِيَادُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَا عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُعَلِّمُ  
لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَثَ وَيَضْعُفُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَلُ  
الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ طَفَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّزُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ  
الَّذِي أُنْزَلَ مَعَهُ لَا أُولَئِنَّكُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ (اعراف: ۷: ۱۵۷) (میں آج یہ  
رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے) جو اس پیغمبر، نبی اُمیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی  
اختیار کریں جس کا ذکر انھیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے۔ وہ انھیں  
نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے، ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک  
چیزیں حرام کرتا ہے، اور ان پر سے وہ بوجھ اُتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ  
بندشیں کھوتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔ لہذا جو لوگ اس پر ایمان لا سیں اور  
اس کی حمایت اور نصرت کریں اور اُس روشنی کی پیروی اختیار کریں جو اس کے ساتھ  
نازل کی گئی ہے، وہی فلاج پانے والے ہیں۔

اسی بات کو سورہ حشر میں یوں فرمایا گیا:

وَمَا آتُكُمُ الرَّسُولُ فَخُنُوْهُ قَ وَمَا نَهَكُمْ عَنْهُ فَأَنْتُهُوَا حَ وَاقْتُلُو اللَّهَ طِّينَ  
اللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَاب٥ (الحشر ۵۹:۷)

(جو کچھ رسولؐ تھیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے اس سے رُک جاؤ۔ اللہ سے ذرور، اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ رسولؐ کی اس اطاعت و فرمان برداری کو براہ راست اللہ بجاو، تعالیٰ کی طرف سے حمایت و توثیق حاصل ہے اور اللہ کے حکم کی بنا پر ہی یہ اطاعت کرنا فرض کی گئی ہے۔ چنانچہ اہلی ایمان کا صحیح طرز عمل قرآن کریم نے رسولؐ کی بات کوں کر سرتسلیم ختم کرنے کو قرار دیا ہے:

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بِيَنْهُمْ أَنْ  
يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا طَ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۵ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ  
وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۶ (النور ۵۲-۵۱:۲۲)

ایمان لانے والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ اللہ اور رسولؐ کی طرف بلائے جائیں تاکہ رسولؐ ان کے مقدمے کا فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سن اور اطاعت کی۔ ایسے ہی لوگ فلاج پانے والے ہیں، اور کامیاب وہی ہیں جو اللہ اور رسولؐ کی فرمان برداری کریں اور اللہ سے ذریں اور اس کی نافرمانی سے بچیں۔

یہاں یہ بات صراحة سے بیان کر دی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدمے یا معاملے کا جو فیصلہ فرمادیں اسے سن کر فوری طور پر اطاعت کرنا ہی ایمان ہے۔ سورہ نساء میں اس پہلو کو اس طرح بیان کیا گیا:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ يَإِذْنِ اللَّهِ ط (النساء ۲۳:۳) ہم نے جو رسولؐ بھیجتا ہے اسی لیے بھیجا ہے کہ اذن خداوندی کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے۔ کویا محض قرآن کے احکامات کی نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فیصلے، حکم اور عمل کی اطاعت کرنا ایمان کا تقاضا ہے۔ آگے جل کر اسی بات کی مزید تاکید کی گئی:

وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّنَ  
وَالصِّدِيقِينَ وَالشَّهِدَاءِ وَالصَّلِحِينَ وَ حَسْنَ أُولَئِكَ رَفِيقَاه (النساء

۴۹:۳) جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انہیاً اور صدیقین اور شہدا اور صالحین۔ کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میر آئیں۔

### سنت کی آئینی حیثیت

قرآن کریم نے جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو شامل کر کے ان تمام مفروضوں کو باطل قرار دیا ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے تشریعی ہونے پر کسی شبہ کا اظہار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا:

يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولَئِ الْأُمُرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَ الرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ طَذِيلٌ خَيْرٌ وَ أَحْسَنُ تَأْوِيلًا (النساء: ۵۹:۳)

ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔ پھر اگر تھارے درمیان کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روز آخرب پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کا رہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔

یہاں قرآن کریم نے اہلی ایمان کا سنت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کن ہونے کے حوالے سے روایہ واضح کرتے ہوئے اس بات کو اللہ اور آخرت پر ایمان سے مشروط کر دیا ہے، یعنی اگر کوئی اللہ اور آخرت پر یقین رکھتا ہے تو وہ اپنے تمام معاملات میں آخری فیصلہ صرف اللہ اور رسول کا مانے گا، حتیٰ کہ وہ لوگ بھی جو اصحاب علم ہوں اور صاحبو مند قضی ہوں۔ اگر ان سے اختلاف ہو تو حاکم، قاضی اور عالم کی بات کو قرآن و سنت پر جانچا جائے گا اور یہ دو غیر متغیر اصول و مصادر جو فیصلہ کریں وہ عالم اور قاضی یا حاکم کو بھی مانتا ہو گا۔ حاکم اور امیر کی اطاعت صرف اس وقت تک کی جائے گی جب تک وہ اللہ اور رسول دونوں کے احکامات کی پیروی کرتے ہوئے کسی بات کو کرنے کا فیصلہ کرے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے تشریعی ہونے کے حوالے سے قرآن کریم نے

بڑی وضاحت سے یہ فیصلہ کیا ہے کہ چونکہ رسولؐ کی مگر انہی وقت کی جاتی ہے اور وہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی بات نہ کہتا ہے، نہ کرتا ہے، اس لیے اب تک تو یہ کہا گیا تھا کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی۔ اب انداز بدلتے ہوئے یہ کہا جا رہا ہے کہ:

مَنْ يُطِيعُ الرَّسُولَ فَقَدْ أطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ  
حَفِظِنَا (النساء: ۸۰: ۲) جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے دراصل خدا کی اطاعت کی اور جو منہ موڑ گیا تو ہر حال ہم نے تحسین ان لوگوں پر پاسبان بنا کر تو نہیں بھیجا ہے۔

اگر ایمان کیا گیا تو قرآن و عید ناتا ہے کہ ایسے الہی ایمان کے تمام اعمال گویا ضائع ہوں گے، العیاذ بالله۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ چنانچہ فرمایا گیا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ۝  
إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَلَوَاعْنُ سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَارٌ فَلَنْ يُغْفَرَ  
اللَّهُ لَهُمْ ۝ (محمد: ۳۲-۳۳: ۲۷) اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو بر بادنہ کرو۔ کفر کرنے والوں، راو خدا سے روکنے والوں اور مرتبے دم تک کفر پرست ہے رہنے والوں کو تو اللہ ہرگز معاف نہ کرے گا۔

جس طرح اطاعت میں اللہ اور رسولؐ دونوں کو شامل کیا گیا، ایسے ہی نافرمانی کے حوالے

سے بھی قرآن دونوں کی نافرمانی کو مساوی قرار دیتا ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمْ  
الْخِيرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ طَوْمَ وَمَنْ يَعْصِي اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا  
(احزان: ۳۲: ۳۳) کسی مومد اور کسی موسمن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور فیصلے کے بارے میں دل میں معمولی سا بھی شہبہ ہوتا

قرآن اسے نفاق سے تعبیر کرتا ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنْفِقِينَ يَصْدُونَ عَنْكَ صُدُودًا (النساء ۲۱:۳) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل کی ہے اور آؤ رسول کی طرف، تو ان منافقوں کو تم دیکھتے ہو کہ یہ تمہاری طرف آنے سے کتراتے ہیں۔

قرآن کریم کی اتنی واضح آیات کے بعد بھی اگر کوئی یہ کہنے کی جارت کرتا ہے کہ صرف قرآن شریعت ہے اور سنت، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی عمل ہے تو وہ خود قرآن کریم کے واضح احکامات کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا تقاضا یہی ہے کہ آپ کی دی ہوئی ہدایات، آپ کے احکامات اور عمل کو جوں کا توں تسلیم کرنے کے بعد اپنے طرز عمل میں اسے اختیار کر لے۔ مسلمان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر عمل کو اختیار کرنے کی کوشش ہی میں نجات ہے۔

حدیث میں خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت کے احساس اور قلبی کیفیت کو ایک مسلمان کے قابل محسوس عمل سے وابستہ کرنے کے ذریعے محبت کو عمل میں تبدیل کر دیا، اور عمل بھی وہ جود و رود و سلام اور عبادات کے ساتھ صداقت، امانت اور حقوق العباد کی ٹھکل میں معاشرے کی فلاج اور ایک ایسی حکومت کے قیام کی بنیاد فراہم کرے جو اسلام کے عادلانہ نظام کو تاقد کرنا چاہتی ہو۔

### ایمان اور عمل، لازم و ملزم

حب الہی اور حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے یہ بات بھی پیش نظر رہی چاہیے کہ قرآن ہمارے زبانی دعووں کو عمل میں تبدیل کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ وہ بے شمار مقامات پر ہمیں متوجہ کرتا ہے کہ الہی ایمان اللہ سے کتنی محبت رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے کن اور کیسے بندوں کو پسند کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا:

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُ حُبًّا لِّلَّهِ ط (البقرہ ۱۶۵:۲) حالانکہ ایمان رکھنے والے سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔

پھر یہ بات کہی گئی کہ: اللہ سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ مال کو اپنارب نہ بنایا جائے نہ مال کی محبت میں

ایسا گرفتار ہو کہ کروڑوں، اربوں کے اٹاؤں کو ملک کے باہر اور ملک کے اندر اپنے قبضے میں کرنے کے بعد بھی هل من مزید کی ہوس میں اتنا وارفتہ ہو کہ جیسے اسے شیطان نے ہاتھ لگا کر دولت کا باولا کر دیا ہو:

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوا بِآيٰدِيْكُمْ إِلَى التَّهْلِكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝ (البقرہ ۱۹۵:۲) اللہ کی راہ میں خرج کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ احسان کا طریقہ اختیار کرو کہ اللہ محسنوں کو پسند کرتا ہے۔

وہ اہلی ایمان بھی جو اللہ کی راہ میں استقامت اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور صبر کے ساتھ حق کی اشاعت اور شہادت میں لگ جاتے ہیں ان کے حوالے سے رب کریم اپنی پسند کا اظہار فرماتا ہے:

بَلٰى مَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ وَأَنْقَى فَإِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝ (آل عمران ۷۴:۳)

جو بھی اپنے عہد کو پورا کرے گا اور برائی سے فیکر ہے گا وہ اللہ کا محبوب بنے گا۔

آگے چل کر اللہ کے ان محبوب بندوں میں ان کا ذکر آتا ہے جو پوری قوت کے ساتھ باطل، ظلم، کفر، طاغوت اور استھصال کا مقابلہ کرنے میں اپنے عمل سے مستقل مزاجی، سلسل جدوجہد اور صبر کا مظاہرہ کرتے ہیں:

وَكَائِنُ مِنْ نَبِيٍّ قَتَلَ مَعَةً رِبِيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا ۝ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ۝ (آل عمران ۱۳۶:۳)

(اس سے پہلے کتنے ہی نبی ایسے گزر چکے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے خدا پرستوں نے جنگ کی۔ اللہ کی راہ میں جو مصیبتیں ان پر پڑیں، ان سے وہ دل ٹکستہ نہیں ہوئے، انھوں نے کمزوری نہیں دکھائی، وہ (باطل کے آگے) سرگمیوں نہیں ہوئے۔ ایسے ہی صابریں کو اللہ پسند کرتا ہے۔

**حبِ رسول کے عملی تقاضے**

ہر مسلمان اور خصوصیت سے تحریکِ اسلامی کے کارکنوں کے لیے یہ بات قابل غور ہے کہ

اکثر انسانی ذہن اپنے اندازے کے مطابق ایک وقت کا اندازہ (time frame) قائم کرتا ہے اور پھر سوچتا ہے کہ آخر کب تک نظامِ عدل اور نظامِ اسلامی کے قیام کے لیے کوششیں کی جائیں گی؟ منزل قریب کیوں نہیں آ رہی؟ مشکلات میں اضافہ کیوں ہو رہا ہے؟ کیا ہماری عدویٰ قوت میں مناسب اضافہ ہو رہا ہے؟ اور کیا یہ عدویٰ قوت تناسب کے لحاظ سے کفر کی بڑھتی ہوئی تعداد کا مقابلہ کر سکے گی وغیرہ۔ ان تمام ممکنہ سوالات کا جواب قرآن نے اپنے منفرد انداز میں انجیماً قبل کے تجربات کی طرف متوجہ کرتے ہوئے یہ کہہ کر دیا ہے کہ اللہ کے ان برگزیدہ نمایمدوں کے ساتھ یہی اس طرح کے حالات پیش آئے ہیں لیکن انہوں نے صبر و استقامت سے وقت کی قید سے آزاد ہو کر اللہ کی راہ میں اپنا جہاد جاری رکھا اور ہی اللہ کے محبوب بندے ہیں۔ کیا اس سے بڑھ کر کوئی اور کامیابی بھی ہو سکتی ہے کہ ایک بندہ جس کی ملتوق ہو، جس نے اسے حکم سے پیدا کیا ہو، وہ اپنے بندے کے صبر و استقامت کو دیکھ کر اس کی طرف نگاہ محبت کو ملقت کر دے! کیا اس سے بڑھ کر کوئی کامیابی ہو سکتی ہے کہ ایسے بندوں کا نام وہ اپنے مقریبین میں لکھ دے اور انہیں صدیقین، صلحاء اور شہدا کی صفت میں شامل کر لے!

اللہ کی راہ میں حبِ رسول سے آ راستہ تحریکِ اسلامی کے کارکن قیامِ عدل اور اسلامی نظام کے قیام کی جدوجہد میں اسی وقت کامیاب ہو سکتے ہیں جب وہ اپنی طرف سے کوشش میں کسی کسی کے ٹکارناہ ہوں اور ساتھ ہی وہ اپنے رب پر مکمل توکل رکھتے ہوں۔ ربِ کریم اپنے ایسے بندوں کو اپنے محبوب بندوں میں شامل کر لیتا ہے اور دعوتِ دین کی جدوجہد میں ہونے والی بعض لغوشوں کو معاف کر دیتا ہے:

فِيمَا رَحْمَةٌ مِّنَ اللَّهِ لِنَتَّ الَّهُمَّ وَ لَوْ كُنْتَ فَطَّا غَلِيظَ الْقُلُبِ لَأُنْفَضُوا  
مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا  
عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ طَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ۝ إِنَّ يَنْصُرُكُمُ اللَّهُ  
فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَ إِنَّ يَعْذِلُكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ وَ عَلَى  
اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝ (آل عمرن: ۳-۱۵۹) (اے محمد!) یہ اللہ کی  
بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے بہت زم مزاج واقع ہوئے ہو، ورنہ اگر کہیں تم

تندخوا اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے۔ ان کے قصور معاف کر دو، ان کے حق میں دعاے مغفرت کرو اور دین کے کام میں ان کو بھی شریک مشورہ رکھو۔ پھر جب تمہارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسا کرو۔ اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں۔ اللہ تمہاری مدد پر ہو تو کوئی طاقت تم پر غالب آنے والی نہیں، اور وہ تسمیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کر سکتا ہو؟ پس جو تجھے مومن ہیں ان کو اللہ ہی پر بھروسا کھنا چاہیے۔

● اہل ایمان اور خصوصیت سے تحریکِ اسلامی کے کارکنوں کے لیے ان آیات میں خصوصی ہدایات ہیں۔ قیادت کے حوالے سے سمجھایا جا رہا ہے، اسے متحمل مزاج، نرم ہو، طنز و استہزا سے احتراز اور رفتار کے ساتھ محبت کا رو یہ رکھنا ہوگا۔ اپنے مزاج کی شوغفی، کسی کی بات سن کر چھتے ہوئے جواب کی جگہ نرمی، قولِ لین اور قولِ بلیغ کو اختیار کرنا ہوگا ورنہ دل جذنے کے بجائے دلوں میں ذوری پیدا ہوگی۔ اپنے معاملات میں مشاورت کو اختیار کرنا ہوگا جس کا واضح مطلب اختلاف رائے کو رحمت سمجھ کر پورا موقع دینا، اختلاف رائے کا احترام کرنا اور اپنی بات کو دلائل کے ساتھ رکھنے کے باوجود اگر اس پر اتفاق نہ ہو رہا ہو تو دوسروں کی رائے کا احترام کرنا ہوگا۔ یہاں پر عزم الامور کے الفاظ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فیصلے محفوظ و وث کی بنا پر نہیں بلکہ اتفاق رائے سے ہونے چاہیں۔ اس میں جتنا وقت لگے اس کی پرواہ کی جائے اور دلوں کو ہاتھ میں لے کر سب کو ساتھ لے کر چلا جائے۔

اس حوالے سے ہمیں آج جو عملی مشکلات پیش آتی ہیں وہ کوئی آج کی پیداوار نہیں ہیں۔ دورِ نبویؐ ہو یا دورِ خلفاء راشدین، تمام کلیدی معاملات میں ایک سے زائد آراء کا وجود اسلامی ریاست میں ایک معروف عمل تھا۔ اس لیے شورائیت کا مطلب یہ قطعاً نہیں ہے کہ ایک رائے پہلے سے قائم کر لی جائے اور پھر اس پر رائے کو ہموار کر دیا جائے، بلکہ ہر رائے کو پوری آزادی اور توجہ سے ناجائے اور معاملے کے ثابت و مفہی پہلو پر غور کرنے کے بعد اتفاق رائے سے معاملات کو چلایا جائے۔ اس عمل سے گزرنے کے بعد، جو اہم بات سمجھائی جا رہی ہے وہ تو کل ہے، یعنی اپنی طرف سے مقدور بھر منصوبہ بندی، افرادی قوت اور دیگر وسائل کا جائزہ لینے کے بعد جب ایک معاملے

میں یکسو ہو جاؤ تو پھر متاج اللہ پر چھوڑ دو۔ تو کل کا یہ مطلب نہیں کہ اپنی طرف سے کوئی حکمت عملی نہ بنائی جائے اور محض رعمل کے طور پر وقت فوت اپنے موقف کو بیان کر دیا جائے۔

● مشاورت سے معاملات ملنے کرنے اور اجتماعی کیفیت پیدا کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے کامیابی کی خصوصی درخواست، اس کے حضور حاضری دے کر اپنے منصوبوں میں اس کی برکت و رحمت کی درخواست، اور متاج سے بے پرواہ کر جس بات پر اتفاق رائے ہو چکا ہو، اس پر قائم ہو جانے کا نام ہی توکل ہے۔ یہی وہ اجماع ہے جس پر اللہ کی رحمت اور نصرت ہوتی ہے۔

● حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اہم مطالبہ یہ ہے کہ ان کاموں سے بچا جائے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند ہیں، یا اس کے غضب کو دعوت دینے والے ہیں۔ یہ بات کسی تعارف کی محتاج نہیں کہ شرک ایسے تمام معاملات میں سرفہrst ہے۔ شرک کا ایک عام مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی کوشش کیا جائے، جیسے عیسائیت کا غالب عقیدہ کہ خدا، روح القدس اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تینوں مل کر ایک اکائی یا واحدت بناتے ہیں اور اس بنا پر اس عقیدے کے ماننے والے اپنے آپ کو موحد (monotheist) کہتے ہیں۔

ظاہر ہے یہ فکر اسلام کی بنیاد توحید غالباً کے منانی اور ضد ہے لیکن اس کے ساتھ اگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو رب ماننے کے ساتھ یہ تصور بھی پایا جاتا ہو کہ فلاں بڑی عالمی طاقت ہمیں عذراً، اسلحہ اور حمایت و نصرت فراہم کرے گی تو ہم زندہ رہیں گے ورنہ ہمارا وجود خطرے میں پڑ جائے گا، تو یہ اس شرک سے کسی طرح بھی مختلف نہیں ہے جسے ایک غیر تعلیم یافتہ مسلمان بھی غلط سمجھتا ہے۔

اگر کوئی قوم ہر نماز میں اور پھر ہر جمعہ کے دن مسجد میں جا کر یہ اعلان کرے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپ اکبر، عظیم اور عالی ہیں، نہ کوئی آپ سے بڑا ہے نہ بلند، نہ طاقت ور، اور ابھی نماز مکمل ہی ہوئی ہوا اور وہ باہر آ کر اپنی میعشت کو کسی سرمایہ دارانہ طاقت سے وابستہ، اپنی معاشرت کو کسی یورپی یا ایشیائی ملک کی جاہلانہ اور مشرکانہ روایات سے متعلق کر دے، اور اپنی سیاست کو لادینی جمہوریت سے مسلک کر دے، تو مسجد میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو وحدۃ لا شریک ماننے کے باوجود یہ اس کی صفات میں ہی نہیں اس کی ذات میں بھی شرک کے مترادف ہے۔

گویا، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا آسان سامفہوم ان کی ہر معاملے

میں اطاعت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ ایسے ہی حب رسول بھی صرف ایک مفہوم رکھتی ہے، یعنی صدق و سچائی کے ساتھ اور ایک امانت دار شخص کی طرح وہ تمام حقوق جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پرواب جب ہیں، ان کی ادا گئی، ورنہ نہ ہم نے صدق کی پیروی کی نہ امانت کا رویہ اختیار کیا۔

• تیسری اہم ہدایت جو ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی وہ حقوق العباد سے تعلق رکھتی ہے۔ اگر ایک گروہ اقتدار پر قابض ہو اور اللہ کی خلق کے پاس نہ کھانے کو ہو، نہ روزگار ہو، نہ بچلی ہو، نہ پانی، اور اس پر غصب یہ کہ اپنے ملک میں ان کا اپنا گھر ڈرون حملوں سے محفوظ نہ ہو، تو کیا اس پامالی حقوق کے ذمہ دار اور جوان کو یہ کام کرتے ہوئے دیکھ رہے ہوں اور مذمت اور مزاحمت سے یہ سراغنل ہوں، حب رسول کا دعویٰ کر سکتے ہیں؟

حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شرط ایمان ہونے پر وہ حدیث بھی ہماری رہنمائی کرتی ہے جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ لا یومن احد کم حتیٰ اکون احب الیه من والدہ و ولدہ والناس اجمعین (بخاری، مسلم) یعنی تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کی نگاہ میں اس کے باپ، اس کے بیٹے اور سارے انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤ۔ حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غالب ہونے کا مفہوم اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ اولاد کے لیے والدین اور والدین کے لیے اولاد کے مفاد سے زیادہ انھیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور اسوہ کی پیروی کرنے کی فکر ہو۔ وہ گھر بیلو معاملات ہوں یا ملکی سیاسی، معاشی مسائل، ہر ہر فیصلہ کرتے وقت یہ دیکھیں کہ کیا ایسا کرنے سے اللہ کے رسول کی اطاعت ہو رہی ہے یا بغاوت کے مرکب ہو رہے ہیں۔

اس مختصر وضاحت کے بعد یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ موجودہ ملکی حالات میں وہ کون سے اقدامات ہیں جو حبِ رسول کے مظہر ہو سکتے ہیں:

— صدق کا تقاضا ہے کہ سب سے پہلے تجدید ایمان کرتے ہوئے ہم اللہ سبحان، و تعالیٰ اور خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے مطیع و فرماں بردار ہونے کے عہد کوشوری طور پر تازہ کریں اور ان تمام اداروں اور افراد کی غلامی و حکومت سے اپنے آپ کو نکالیں جو اس تعلق پر اثر انداز ہو رہے ہوں۔

— دوسرا تقاضا یہ ہے کہ اس ملک عزیز کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قدر والی رات میں عظیمہ اور میراث کو ایک امین کی طرح سے اصل مالک کی مرضی کے مطابق اور اس کی شریعت کے مطابق معاشری، معاشرتی، ثقافتی، تعلیمی، قانونی اور سیاسی معاملات کو ترتیب دیں۔

— تیسرا تقاضا یہ ہے کہ اس ملک کی سربراہی اور قیادت ایسے افراد کے ہاتھ میں دیں جو امین اور صادق ہوں اور ایسے افراد سے نجات حاصل کریں جو خائن اور کاذب ہوں۔

— چوتھا تقاضا یہ ہے کہ ایسے معاملات میں اور افراد کار کے انتخاب میں صلاحیت اور قابلیت کو معیار بنائیں، اور خاندانوں کی حکومت، مصاہبوں کی بادشاہگری اور ذلتی مفادات کی غلامی سے نکل کر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سامنے جواب دتی کا خوف رکھنے والے افراد کو ملک کی زمام کار سونپیں۔

— پانچواں تقاضا یہ ہے کہ نظامِ اسلامی کے قیام کی جدوجہد میں اپنا وقت، صلاحیت، دولت، غرض جو کچھ ہمارے اختیار میں ہو، لگاتے وقت صبر و استقامت کے رویے کو اختیار کریں اور حالات کی نزاکت سے گھبرا کر یہ کبھی نہ سوچیں کہ اب تو یہ ملک نوٹنے کے قریب ہے۔ نا امیدی کفر ہے اور رات کے بعد صبح کا نور اللہ کی سنت اور وعدہ ہے۔ ہماری ذمہ داری بس اتنی ہے کہ اپنی جانب سے کوششوں میں کوئی کسر نہ چھوڑیں اور ستم و جہد کے ساتھ اللہ پر توکل کریں اور یاد رکھیں کہ ہماری مساعی میں اضافہ ہی مسائل کا حل ہے۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں  
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

## عشرہ سیرت النبی ﷺ

تحفظ ناموس رسالت ﷺ میں

اور

تحفظ ناموس رسالت ﷺ میں

زیادہ تعداد میں بیجے اور پھیلائیے!

اس لڑپر سے فائدہ اٹھائیے!

اپنے سیام پہنچانے کے لیے



۱	سید ابوالاعلیٰ مودودی	درود ان پر سلام ان پر
۲	سید ابوالاعلیٰ مودودی	سیرت ﷺ کا پیغام
۱۱	سید عبدالجلیلی	رسول اللہ ﷺ کا معیار زندگی
۹	قاضی حسین احمد	سیرت ﷺ کے تقاضے
۱۷	خرم مراد	چند تصویریں: سیرت ﷺ کے الیم سے
	مولانا ابو الحسن علی ندوی	سیرت محمدی ﷺ دعاوں کے آئینے میں

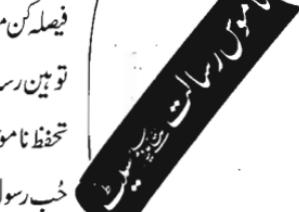
رعایتی قیمت ۳۵ روپے

قیمت سیٹ ۶۱ روپے

- ۶ خرم مراد
- ۶ خرم مراد
- ۹ تحفظ ناموس رسالت ﷺ اور ہماری ذمداداریاں ڈاکٹر انیس احمد
- ۹ حب رسول ﷺ اور اس کے تقاضے ڈاکٹر انیس احمد

فیصلہ کن مسئلہ: نبوت محمدی ﷺ

تو یہیں رسالت ﷺ کا مقدمہ



قیمت سیٹ ۶۰ روپے رعایتی قیمت ۲۰ روپے

یا اور سیٹ کے تمام کتابچے	اللہ کے رسول محمد ﷺ	اسی سیرت ﷺ پر ہمارے دیگر کتابات پر
الگ الگ بھی دستیاب ہیں	سید ابوالاعلیٰ مودودی اروپے	
	راما کرشناراؤ اروپے	
	محمد ﷺ	
زیادہ تعداد میں	پروفیسر نور شیداحمد ۸ روپے	سیرت پاک ﷺ کا تاریخی کردار
لینے پر خصوصی رعایت	پروفیسر نور شیداحمد ۳۵ روپے	The Message of Muhammad (PBUH)

فون: 042-3543 4909  
فکس: 042-3543 4907

منصورہ ملتان روڈ لاہور - 54790

منشورات